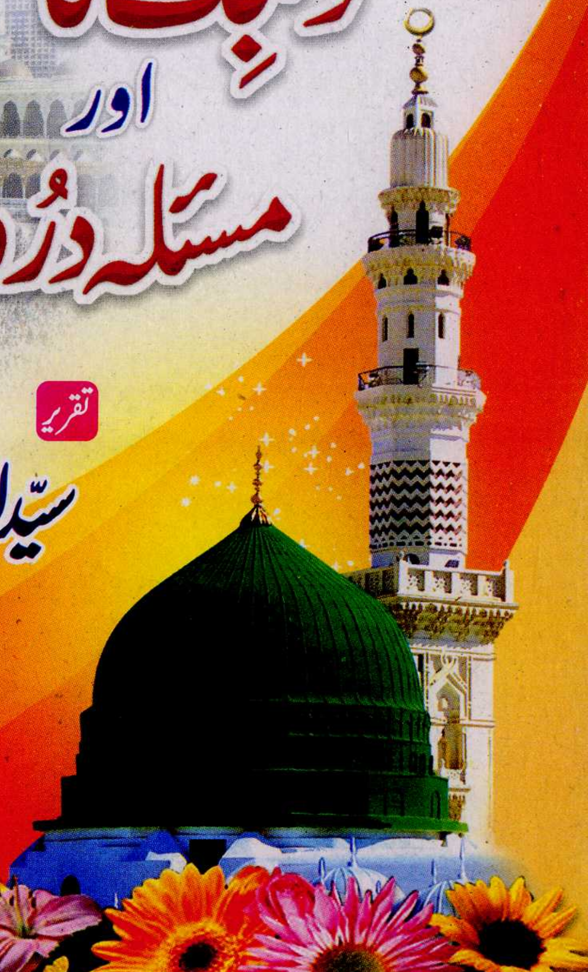
ذنبک کا معنی
اور
مسئلہ درود

تقریر

غزالیٔ زماں حضرت علامہ

سیّد احمد سعید کاظمی قدس سرہ

(المتوفی ۱۹۸۶ء)



ترتیب

مولانا جمیل الرحمٰن سعیدی

تخریج وحواشی

خلیل احمد رانا

مرکزی مجلس رضا

ذَنبِک کا معنیٰ اور مسئلہ دُرود

تقریر

غزالی زماں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی امروہوی قدس سرہ

ترتیب

مولانا جمیل الرحمٰن سعیدی (کراچی)

تخریج وحواشی

خلیل احمد رانا

یہ تقریر ''خانپور''، ضلع رحیم یار خان میں عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقع پر جامعہ سراج العلوم کے پانچ روزہ سالانہ جلسہ میں کی گئی۔ (جلسہ کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی)

ناشر

مرکزی مجلس رضا

19-B جاوید پارک، شادباغ، لاہور

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ

وعلیٰ الك واصحابك یا حبیب اللہ

(سلسلہ اشاعت نمبر۳)

نام کتاب	—— ذنبك کا معنیٰ اور مسئلہ دُرود
تقریر	—— غزالی زماں رازیٔ دوراں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب	—— مولانا جمیل الرحمٰن سعیدی (کراچی)
تخریج وحواشی	—— خلیل احمد رانا (جہانیاں)
صفحات	—— ۳۶
کمپوزنگ	—— خلیل احمد رانا (جہانیاں)
تاریخ اشاعت	—— رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ بمطابق مئی ۲۰۱۴ء
تعداد	—— دوہزار
ناشر	—— مرکزی مجلس رضا، لاہور

شائقین مطالعہ 15 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں

ملنے کا پتا

19-B جاوید پارک، شاد باغ، لاہور

مسلم کتابوی، گنج بخش روڈ، دربار مارکیٹ، لاہور 0321-4477511

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ ﷺ

عزیزانِ محترم! آپ کا ایک ہی مقام ہے اور وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ پر، اللہ تعالیٰ کی توحید پر، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے پر آپ کا ایمان ہے، مگر یہ سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کی توحید، اس کی وحدانیت، اس کا وحدہٗ لا شریک ہونا، اس کا شریک سے پاک ہونا، دین کی بنیاد، دین کی روح، سارا دین، تمام احکامِ خداوندی، تمام اسلامی تعلیمات، پورا قرآن اور تمام شریعت مطہرہ جس دامن سے ملی ہے، اس دامن سے وابستہ رہو، یہ وابستگی تمہارا مقام ہے، اگر اس دامنِ پاک سے وابستگی میں ضعف پیدا ہو گیا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

میرے محترم بھائیو اور میرے پیارے عزیزو! آپ کو یقین کرنا ہوگا کہ ہمارے لئے بے شک خدا کی توحید، اللہ کی الوہیت، اللہ کی وحدانیت، اللہ کی واحدیت، اس کا وحدہٗ لاشریک ہونا، یقیناً دین کی بنیاد ہے، مگر آپ یہ دیکھیں کہ اس بنیاد کی بھی تو کوئی بنیاد ہے، دین کا مرکز ہے؟

میرے دوستو! قرآن دین کا مرکز ہے، شریعت محمدیہ دین کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، اللہ کے احکام کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور تمام آداب، عبادات، معاملات، تمام احکام، مسائل، دین کا ہر مسئلہ، دین کے اصول اور دین کے فروع سب کچھ ہمارے لئے دنیا وآخرت کی سعادت کے لئے ضمانت ہے، مگر یہ بتاؤ اس دین کی اصل کیا ہے؟ میں تمہیں بتادیتا ہوں۔

ع بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

دین کی اصل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے، عقیدۂ توحید اللہ کی واحدیت، اس کی وحدانیت، کلام الٰہی، اللہ کے کلام کا ہم تک پہنچنا اور ساری شریعت کا ہم تک آنا سب کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے، اللہ تو ازل سے ایک ہے، مگر میرے دوستو! اللہ کے ایک ہونے کا علم ہمیں کس نے دیا؟ ہمیں کس نے بتایا؟ کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ہم نے اللہ کا کلام سنا ہے؟ کیا اللہ نے ہمارے کان میں قرآن کو نازل کیا ہے؟ ☆اللہ اکبر☆☆☆

میرے دوستو اور میرے محترم عزیزو! اللہ کی وحدانیت، اللہ کی واحدیت کا اعلان زبانِ نبوت سے کرایا گیا، اللہ نے قرآن اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا اور دین اپنے حبیب کی زبان سے ہم تک پہنچایا، جس زبانِ پاک نے دین ہم تک پہنچایا اور جس زبان پاک سے قرآن ہم تک پہنچا اور جس زبانِ پاک سے اللہ نے اپنی توحید کا عقیدہ ہم تک پہنچایا، ایمان سے کہنا وہ زبان مقدس اور وہ ذاتِ مقدس اللہ کے نزدیک، اللہ کی بارگاہ میں اتنی عظمت والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے لئے توحید کے مسئلے میں، دین کے مسئلے میں، قرآن کے مسئلے میں، اس ذاتِ مقدسہ کو ساری کائنات کے لئے قابلِ اعتماد قرار دیا اور معتمد علیہ بنایا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ معتمد علیہ نہ بناتا تو نہ توحید پر اعتماد ہوسکتا تھا، نہ قرآن پر اعتماد ہوسکتا تھا، توحید کا عقیدہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو بتایا۔

ایک بات عرض کرتا ہوں، کہنے والے کا جب تک اعتبار نہ ہو اور کہنے والے کی زبان کا جب تک اعتبار نہ ہو اور کہنے والے کی ذات پر جب تک اعتماد نہ ہو، ایمان سے کہنا کیا اس کی بات کچھ وزن رکھتی ہے؟ کوئی وزن نہیں رکھتی، کیوں؟

اس لئے کہ کہنے والے کی بات کا وزن تو کہنے والے سے ہوگا، اللہ تعالیٰ نے

اپنے حبیب پاک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو اتنا وزنی بنایا، اتنا کامل بنایا، اس قدر اکمل اور عظیم بنایا کہ تمام دین کا اعتماد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر، توحید کے عقیدہ کا اعتماد حضور کی ذات پر، سارے قرآن کا اعتماد حضور کی ذات پر، اسی لئے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میرے محبوب! میری توحید کا، میری وحدانیت کا، میری واحدیت کا تو اعلان فرمادے، اگر زبان نبوت کو اللہ تعالیٰ قابل اعتماد نہ بناتا تو زبان نبوت سے اپنی توحید کا اعلان کیسے کراتا؟ قرآن اللہ کا کلام ہے ہمارا ایمان ہے، لیکن ایمان سے کہنا اسی قرآن میں اللہ نے کیا فرمایا "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" (سورۃ الحاقۃ ۶۹: ۴۰۔ سورۃ التکویر ۸۱: ۱۹) قرآن تو رسول کریم کا قول ہے، ارے کلام تو اللہ کا ہے مگر قول رسول کریم کا ہے۔

یہ (قول) مصدر ہے معنی میں مقول کے ہے یعنی رسول کا کہا ہوا ہے، اگر رسول نہ کہیں تو ہم کو کیا پتہ یہ اللہ کا کلام ہے، آپ نے غور فرمایا؟ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ رسول کی ذات کو اللہ نے قابل اعتماد بنایا کہ نہیں؟

بے شک بنایا، جب اللہ نے رسول کی ذات کو قابل اعتماد بنایا تو میرے دوستو! تمہارے دین کی بقا، سارے دین کا استحکام، رسول کی ذات کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے پر ہے، اگر اس استحکام میں ذرہ برابر فرق آتا ہے اور رسول کے قابل اعتماد ہونے میں ذرہ برابر فرق آتا ہے تو دین کی ساری عمارت منہدم ہوکر رہ جاتی ہے، عمارت تو بنیادوں پر ہوتی ہے اور سب کی بنیاد زبان نبوت ہے، قرآن کی بنیاد زبان نبوت ہے، عقیدۂ توحید کی بنیاد زبان نبوت ہے، جب تک رسول کی ذات مستحکم نہ ہو، قابل اعتماد نہ ہو، غلطی سے پاک نہ ہو، عیب سے پاک نہ ہو، خطا سے پاک نہ ہو تو دین کا کوئی جز متحقق نہیں ہوسکتا، سارے دین کا دارومدار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک پر ہے۔

میرے دوستو اور میرے پیارے عزیزو! جب یہ بات آپ کے ذہن نے قبول کرلی تو اب میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ میں آپ کے علاقہ میں جب آتا ہوں تو ایسے ایسے الفاظ میرے سننے میں آتے ہیں اور ایسے سوالات میرے سامنے آتے ہیں، میں حیران ہو جاتا ہوں کہ یا اللہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا سن رہا ہوں؟

ذنبک کی آیت اور اعتراض:

پہلا سوال میرے سامنے یہ آیا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ○ (سورۃ الفتح، آیت ۱-۲)

ہم نے آپ کو فتح مبین اس لئے عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کردے۔

معلوم ہوا کہ رسول سے اگلے گناہ بھی ہوئے اور پچھلے گناہ بھی ہوئے، تو رسول گنہگار ثابت ہوئے کہ نہیں ہوئے؟ رہا معاف کرنے کا معاملہ، تو جب اللہ نے معافی کا اعلان فرمادیا تو گناہ ہوئے یا نہیں ہوئے' ایک ہی بات ہے۔ یہ اعتراض میرے سامنے آیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط (سورۃ النساء۴: ۴۸، ۱۱۶)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں کرے گا اور شرک کے علاوہ جس کو چاہے معاف کردے۔

تو صرف معافی سے تو بات نہیں بنتی، ارے معافی تو ہر ایک مسلمان کی ہوسکتی ہے، ہر ایک مومن کی ہوسکتی ہے، خواہ اس نے کروڑوں گناہ کئے ہوں، تو اب معافی کی وجہ سے وہ گنہگاروں کی صف میں تو بہر حال باقی رہے گا، یہ الگ بات ہے کہ معافی ہو

جائے، تو اگر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہم یہی عقیدہ رکھیں کہ ان سے اگلے گناہ بھی ہوئے اور پچھلے گناہ بھی ہوئے اور اللہ نے معاف کردیئے، اللہ تعالیٰ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے بہت سے لوگوں کے گناہ معاف کردے گا اور بہت سے لوگوں کو بے حساب جنت میں داخل فرمائیگا، تو پھر بتایئے کہ وہ اُمتی اور رسول تو یکساں ہوگئے، رسول کے بھی گناہ معاف ہوئے اور ان کے بھی گناہ معاف ہوئے' تو پھر کیا فرق رہا رسول میں اور گنہگاروں میں؟

عزیزانِ محترم! افسوس صد افسوس! میں یہی عرض کررہا تھا کہ میری آنکھیں کیا دیکھتی ہیں اور میرے کان کیا سنتے ہیں؟ میں حیران ہوں!

حقیقتِ گناہ اور ذاتِ نبوت:

میرا عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تو بہت بڑی شان ہے، ہر نبی اور ہر رسول کے بارے میں میرا یہی عقیدہ ہے کہ جو ذنب ہو، معصیت ہو، گناہ ہو اور اس میں گناہ کی حقیقت پائی جائے، خدا کی قسم! گناہ کی حقیقت، ضلالت کی حقیقت، غوایت کی حقیقت اور ذنب کی حقیقت سے میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پاک ہیں اور تمام انبیاء بھی پاک ہیں۔

میں نے ''حقیقت'' کی جو قید لگائی ہے اس کی وجہ آپ کو بتاتا ہوں، نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے گی، مقصد تو ہے کہ گناہ کی نجاست سے نبوت کا دامن داغدار نہ ہو، گناہ تو معصیت ہے، حقیقت معصیت اور حقیقت ذنب سے خدا کی قسم! میرے آقا کا بھی دامن پاک ہے اور ہر نبی کا دامن پاک ہے۔ ہاں میں نے حقیقت کی قید اس لئے لگائی کہ بعض افعال انبیاء علیہم السلام سے ایسے ضرور سرزد ہوئے اور سرزد وہ ان سے نہیں ہوئے بلکہ حکمت الٰہیہ کا تقاضہ تھا کہ وہ کام خود انبیاء سے سرزد ہوں، کیسے کام؟ حقیقت میں وہ کام گناہ نہیں، حقیقت میں معصیت نہیں، حقیقت میں

غوایت نہیں، لیکن وہ کام صورۃً گناہ کے مشابہ تھے اور صورۃً مشابہت کی وجہ سے کوئی گناہ کی حقیقت ان میں پیدا نہیں ہوئی، معصیت کے کوئی معنی ان میں پیدا نہیں ہوئے، مگر صورۃً ایسے کام کا انبیاء سے سرزد ہو جانا جو منافی ہے غوایت کے، گناہ کے ساتھ صورۃً مماثلت رکھتے ہیں، لیکن حقیقتاً وہ مماثلت نہیں رکھتے، حقیقت میں وہ گناہ نہیں ہے، حقیقت میں وہ معصیت نہیں ہے، تو ایسے کام بعض انبیاء سے سرزد ہوئے اور اس لئے سرزد نہیں ہوئے بلکہ سرزد کرائے گئے' تاکہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا پورا ہو جائے۔ وہ کیا تھا غور سے سنئے!

آدم علیہ السلام کا معاملہ:

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہما السلام کو جنت میں رکھا اور ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ ۲:۳۵۔ سورۃ الاعراف ۷:۱۹) اے آدم و حوا اس درخت کے قریب نہ جانا اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے، یہ قرآن میں صاف صاف اعلان فرمایا، لیکن ہوا کیا؟ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا، شیطان، آدم اور حوا دونوں کے قدم پھسلنے کا سبب بن گیا، پھر کیا ہوا؟ آدم بھی اور حوا بھی دونوں جنت سے باہر تشریف لے آئے۔

اَب لوگوں نے کہا کہ دیکھئے شیطان نے پھسلا دیا، یہ گناہ نہیں تو اور کیا ہے، جنت سے باہر آ گئے' یہ گناہ کی سزا نہیں تو اور کیا ہے؟

میں عرض کروں گا واللہ باللہ ثم تاللہ یہ گناہ نہیں، یہ معصیت نہیں، گناہ اور معصیت کی تعریف کیا ہے؟ خوب سمجھ لو' گناہ اور معصیت کے معنی یہ ہیں کہ جو کام جان بوجھ کر معصیت کے ارادے سے کیا جائے اسے معصیت کہتے ہیں، اگر جان بوجھ کر معصیت کا ارادہ نہ ہو تو وہ کام معصیت کے مشابہ تو ہو جائے گا مگر معصیت کی

حقیقت اس میں نہیں پائی جائے گی۔

روزہ دار کا بھول کر کھانا پینا:

میں مثال دیتا ہوں بتائیے! روزہ دار کو روزہ کی حالت میں کھانا پینا کیسا ہے؟ یہ گناہ ہے یا نہیں؟ اگر روزہ دار روزے کی حالت میں جان بوجھ کر کھا پی لے تو بتائیے اس پر کفارہ ہوگا کہ نہیں؟ ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے، جان بوجھ کر کھایا پیا تو یہ گناہ ہوگا، اور اگر کسی روزہ دار نے بھول کر کھانا کھا لیا یا پانی پی لیا تو گناہ نہیں ہوگا، فعل دونوں کا یکساں ہے، فرق یہ ہے کہ ایک جان بوجھ کر کھا پی رہا ہے اور ایک بھول کر کھا پی رہا ہے، دونوں کا فعل تو ایک جیسا ہے مگر حکم بدل گیا، کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف جان بوجھ کر کیا جائے وہ معصیت ہے اور جو بھول کر کیا جائے وہ معصیت نہیں ہے، یہ فرق آپ کو سمجھ آ گیا۔

حضرت آدم و حوا علیہما السلام دونوں کے متعلق ایک بات عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس درخت کے قریب مت جانا، اگر تم گئے تو کیا ہوگا؟ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ تو تم ظالمین میں سے ہو جاؤ گے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قصداً جان بوجھ کر بقصد معصیت اس درخت سے کھایا اور اس کے قریب گئے تو یقیناً تم گنہگار ہو جاؤ گے، ظالم ہو جاؤ گے، لیکن کیا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم بھول کر بھی گئے' تب بھی ظالم ہو جاؤ گے؟ یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا، کیوں؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (سورۃ البقرۃ ۲:۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، کسی کام کو جان بوجھ کرنا یا نہ کرنا یہ تو وسعت میں ہے، مگر بھول کر کرنا یا نہ کرنا یہ تو وسعت نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ وَلَا تَقْرَبَا کے معنی یہ ہیں کہ قصداً اس کے قریب مت جانا اگر قصداً گئے تو تم

ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔

اَب قرآن سے پوچھو کہ آدم وحوا علیہما السلام قصداً گئے اور حضرت آدم نے جان بوجھ کر اس درخت سے کچھ کھایا یا بھول گئے؟ میں نہیں کہتا' قرآن کہتا ہے: لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ (سورۃ طٰہٰ ۲۰:۱۱۵) ہم نے آدم سے ایک عہد لیا وہ کیا تھا؟ کہ اس درخت کے قریب مت جانا، فَنَسِيَ تو آدم بھول گئے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے آدم کا کوئی عزم نہیں پایا، کوئی قصد نہیں پایا' وہ بھول گئے، اور بھولنے کا سبب شیطان ہوا، اور فعل کی اسناد کبھی سبب کی طرف کی جاتی ہے، تو فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ کے معنی یہ ہیں کہ شیطان ان کے بھولنے کا سبب ہو گیا اور بھول کر انہوں نے اُس درخت (کا دانہ) کھالیا، اور بھول کر جو کام کیا جائے وہ اگرچہ قصداً کرنے سے معصیت تھا لیکن جب بھول کر کیا گیا تو خدا کی قسم وہ معصیت نہیں ہوا، تو قرآن نے کہا فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا آدم بھول گئے' ہم نے ان کا ارادہ نہیں پایا، اور جو کام بھول کر ہو، ارادے کے بغیر ہو وہ معصیت نہیں ہوتا، وہ گناہ نہیں ہوتا، وہ ذنب نہیں ہوتا۔

اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ (سورۃ طٰہٰ ۲۰:۱۲۱) آدم علیہ السلام نے اپنے رب کا عصیان کیا، وہ عصیان حقیقتاً نہ تھا بلکہ صورۃً تھا، تو پتہ چلا کہ عصیان صورۃً ہو سکتا ہے مگر حقیقتاً نہیں ہو سکتا، اسی طرح ذنب صورۃً تو ہو سکتا ہے مگر حقیقتاً نہیں ہو سکتا اور صورۃً کیوں ہو سکتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ بعض اوقات اپنے نبیوں سے ایسا کام سرزد کرا دیتا ہے جو حقیقتاً گناہ نہیں مگر مشابہ ہے گناہ کے تا کہ جب نبیوں کی اُمتوں کے اصل گناہ سامنے آئیں گے تو نبیوں کے ان افعال کے دامن میں امتیوں کے گناہ آجائیں گے، اللہ تعالیٰ انبیاء کے ان افعال کے دامن میں ان کو لے لیگا،

کون سے افعال؟ جو حقیقتاً گناہ نہیں ہیں مگر صورۃً گناہ کے مشابہ ہیں، آپ کے دامن میں اُمت کے حقیقی گناہوں کو اللہ تعالیٰ لے لیگا اور حقیقی گناہوں کو لے کر اُمت کو بخش دے گا، تو بخشش اُمت کی ہوگی اور نبی سے تو گناہ ہوا ہی نہیں ہے' وہاں تو گناہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسی طرح ہمارے آقا سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعض ایسے امور سرزد ہوئے جو حقیقتاً گناہ نہیں، ذنب نہیں، معصیت نہیں بلکہ وہ صورۃً مشابہ ہیں گناہ کے، اور اس لئے کہ میرے محبوب! تیرے اس فعل کے دامن میں تیری اُمت کے حقیقی گناہوں کو معاف کر دیا جائے، کیوں؟

تا کہ استغفار سنت بن جائے:

اس لئے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب ۳۳:۲۱)۔ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے کاموں پر استغفار کرتے رہے کہ جو حقیقتاً گناہ نہ تھے صورۃً مشابہ تھے، اور جب ایسے کاموں پر استغفار کرتے رہے تو اُمت کو حکم تھا کہ جب وہ ایسے کاموں پر استغفار کرتے رہے جو حقیقتاً گناہ نہیں ہیں صرف گناہ کے صورۃً مشابہ ہیں، تو اے میرے نبیوں کی اُمت والو! تم سے جب حقیقی گناہ سرزد ہوں تو تم کیسے استغفار نہیں کرو گے؟ تمہیں استغفار کرنا پڑے گا، تو یہ اُمت کے لئے استغفار کا راستہ بتایا اور اپنے نبیوں کے اس فعل کے دامن میں اُمت کے ان افعال کو اور حقیقی گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔

میں نے ایک کلیہ آپ کے سامنے بیان کر دیا، اب جتنے جزئیات آپ لائیں گے اسی کلیہ کے تحت ہوں گے کہ کسی نبی کا کوئی فعل ہرگز گناہ نہیں ہوگا' بلکہ اگر ہوگا تو گناہ کے مشابہ ہوگا اور مشابہ ہونے سے اُس کا حقیقتاً گناہ ہونا لازم نہیں آتا، اور مشابہ اس حکمت کے لئے ہوگا کہ نبی کے ایسے فعل کے دامن میں اُمت کے حقیقی

گناہوں کو لپیٹ کر مغفرت فرما دی جائے' یہ حکمت تھی۔

اَب میری اس قید کا فائدہ آپ سمجھیں کہ نبی حقیقتاً گناہ سے پاک ہے، ہر نبی معصیت کی حقیقت سے پاک ہے اور کیوں پاک ہے؟ اس لئے کہ نبوت کے لئے عصمت لازم ہے، اور عصمت کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ معنی ہیں کہ گناہ کئے اور عصمت ہوگئی؟ اگر یہ معنی لیں گے تو میں بڑا حیران ہوتا ہوں کہ یہ لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم لوگ عصمت انبیاء کے قائل ہیں، ارے اللہ کے بندو! تم عصمت انبیاء کے کہاں قائل ہو؟ جب تم صاف صاف کہتے ہو کہ نبی سے پہلے گناہ ہوئے اور بعد کو بھی گناہ ہوئے تو جس سے گناہ ہوں وہاں عصمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تو پتہ چلا کہ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ○ کی نسبت اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف بھی بالفرض مان لوں تو حضور کے وہ مبارک افعالِ مقدسہ مراد ہیں کہ جن افعالِ مقدسہ کو ذنب نہیں کہا جائے گا، حقیقتاً، بلکہ ان کے مشابہ، اس لئے کہ اُمت کے حقیقی ذنب ان کے دامن میں آکر مغفور ہو جائیں گے۔

اعضائے وضو تین بار سے کم کیوں دھوئے؟

اَب میں مثال تو نہیں دیتا مگر ذرا سی بات عرض کئے دیتا ہوں، حضور سرور عالم تاجدار مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ بھی دھویا، دو مرتبہ بھی دھویا اور تین تین مرتبہ بھی دھویا (مشکوٰۃ، کتاب الطہارۃ، باب سنن الوضوء، فصل اول، ص ۴۶.....عن ابن عباس.....مرةً مرةً.....، عن عبداللہ بن زید.....مرتین مرتین.....، عن عثمان.....ثلاثاً ثلاثاً ۔ مشکوٰۃ البانی، رقم: ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷۔)، تین مرتبہ تو اکمل ہے، دو مرتبہ کامل ہے اور ایک مرتبہ جائز ہے، تو حضور نے ایک مرتبہ ہاتھ دھوئے، ایک مرتبہ کلی فرمائی، ایک مرتبہ بینی مبارک میں پانی ڈالا، ایک مرتبہ چہرہ مبارک کو دھویا، ایک مرتبہ کہنیوں تک مبارک نورانی ہاتھ دھوئے اور سر انور کا مسح تو ہوتا ہی ایک دفعہ ہے اور

پاؤں شریف بھی ایک مرتبہ دھوئے، افضلیت بھی کم ہوگئی اور فضیلت بھی کم ہوگئی، محض جواز کا مرتبہ رہ گیا، لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کام کیوں کیا؟

اس لئے کہ اُمت سے اگر کہیں فروگذاشت ہو جائے تو محبوب کے اس فعل کے دامن میں آکر مقبول ہو جائے، کوئی ایک مرتبہ اعضاء کو دھو لے تو وضو تو پھر بھی ہو جائے گا، مگر اس کا جواز کیسے ثابت ہوگا؟ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا اور بیان جواز تو منصب رسالت ہے اور منصب رسالت کی تکمیل تو بہت بڑا ثواب ہے، ہم تین مرتبہ اعضاء وضو دھوئیں اور حضور ایک مرتبہ دھوئیں تو حضور کا ایک مرتبہ دھونا ہمارے تین مرتبہ دھونے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے جب کہ بیان جواز ہو۔

میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف ذنب کو حقیقتاً منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ حقیقتاً نبی سے گناہ ہوا، حقیقتاً نبی سے معصیت ہوئی، تو یہ نبیوں کی عصمت کا انکار ہے اور عصمت نبوت کے لئے لازم ہے اور لازم کا انکار ملزوم کے انکار کی طرف منتج ہوگا، تو لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نبوت کے انکار کا مرتکب ہوا، انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، عصمت کے معنی کیا ہیں؟ عصمت کسے کہتے ہیں؟

معصوم کے لئے گناہ پیدا ہونا شرعاً محال ہے:

میں نہیں کہتا "مسامرہ" اُٹھا کر دیکھ لیں، "مسایرہ" اُٹھا کر دیکھیں، "شرح مواقف" اُٹھا کر دیکھیں، یہ ہمارے علم کلام میں عقائد کی بڑی بڑی کتابیں ہیں، ان کے اندر صاف موجود ہے کہ عصمت کے معنی کیا ہیں؟ معصوم اسے کہتے ہیں کہ "لَمْ يُخْلَقْ لَهُ ذَنْبٌ" (مسایرہ، مسامرہ، شرح مواقف، شرح مقاصد) ارے معصوم وہ ہے جس کے لئے گناہ پیدا ہی نہیں کیا گیا، تو جب اللہ کی طرف سے گناہ پیدا ہی نہیں ہوا تو اب جو تم کہتے ہو کہ نبی سے گناہ ہوئے تو کیا تم نے پیدا کر دیئے؟

نبی کی شان یہ ہے کہ "لَمْ يُخْلَقْ لَهُ ذَنْبٌ" ارے نبی وہ ہے جس کے لئے گناہ پیدا ہی نہیں کیا گیا، جب اللہ نے نبی کے لئے گناہ پیدا ہی نہیں کیا تو "مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝" کے معنی کیا ہوں گے؟ کیا یہ معنی ہوں گے کہ نبی نے گناہ کئے؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، ارے نبی کے لئے تو گناہ پیدا ہی نہیں ہوتا اور جب اللہ نے پیدا ہی نہیں کیا تو نبی سے گناہ کیسے سرزد ہوئے؟

گناہ پر قادر نہ ہونے اور گناہ کے پیدا نہ ہونے میں فرق ہے:

اَب ایک بات عرض کرتا ہوں یہ بڑی باریک علمی بات ہے، اہل علم اگر غور کریں گے تو ان شاء اللہ سمجھ میں آجائے گی، علم کلام کی کتابوں مسایرہ، مسامرہ، شرح مواقف، شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ عصمت کے معنی ہیں لَمْ يُخْلَقْ لَهُ ذَنْبٌ یعنی جس کے لئے گناہ پیدا ہی نہیں ہوا، اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب گناہ پیدا ہی نہیں ہوا تو نبی کے اندر گناہ کی قدرت ہی نہیں اور جب نبی کے اندر گناہ کرنے کی قدرت ہی نہیں، تو پھر گناہ نہ کرنا یہ کون سا کمال ہوا؟ سیدھی سی بات ہے، ایک شخص نابینا ہے تو وہ کہے کہ میں نے کبھی کسی کو بری نظر سے دیکھا ہی نہیں، تو لوگ کہیں گے کہ تم تو دیکھ ہی نہیں سکتے، یہ نہ دیکھنا تمہارا کوئی کمال نہیں ہے، کمال تو تب تھا کہ تم دیکھ سکتے، پھر نہ دیکھتے، تو یہ جو تم نبوت کیے لئے عصمت کے معنی بتاتے ہو اور معصوم کی تعریف کرتے ہو کہ لَمْ يُخْلَقْ لَهُ ذَنْبٌ، تو یہ تو کوئی کمال نہیں۔

اللہ اکبر! بھائی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کا ایمان سلب کرتا ہے تو عقل و علم بھی ساتھ ہی سلب ہو جاتی ہے، میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے لئے گناہ کا پیدا نہ کیا جانے سے کیا یہ ضروری ہے کہ اس قدرت کو بھی اللہ نے سلب کر لیا ہو؟

محفوظ کے لئے گناہ پیدا نہ ہوا مگر شرعاً محال نہیں:

خدا کی قسم! اس کا مطلب یہ نہیں ہے، ورنہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں بتائیے! ہزاروں اولیاء اللہ دنیا میں ایسے پیدا ہوئے کہ جنہوں نے گناہ نہیں کیا اور کیوں نہیں کیا؟ جنہوں نے گناہ نہیں کیا، جو گناہوں سے محفوظ رہے، یہ بتائیے کہ اللہ نے ان کے لئے گناہ پیدا کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟

تو میں عرض کروں گا اور صاف صاف لفظوں میں عرض کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ان کے لئے گناہ پیدا نہیں کیا تھا، اگر اللہ ان کے لئے گناہ پیدا کرتا تو پھر ان سے گناہ کا صدور ضروری تھا، تو پتہ چلا کہ ان کے لئے گناہ پیدا نہیں کیا گیا، اَب آپ کہیں گے کہ یہ تو سارے معصوم ہو گئے، تو یہ غلط ہے، کیوں غلط ہے؟

اس لئے غلط ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے جن کے لئے گناہ کو پیدا نہیں کیا ان کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم تو یہ ہے کہ جن کے لئے گناہ پیدا کیا جانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ نے قانون بنا دیا کہ ان کے لئے گناہ کا پیدا کرنا میری حکمت کے بالکل خلاف ہے، اور کچھ ایسے لوگ ہیں ان کے لئے گناہ کا پیدا نہ کرنا کوئی محال شرعی تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکی اور پاکی کی بنا پر ان کے لئے گناہ کو پیدا نہیں کیا، لیکن یہ نہیں کہ ان کی شان یہ تھی کہ ان کے لئے گناہ پیدا نہ ہو یا ان کے لئے گناہ کا پیدا ہونا کوئی محال شرعی تھا۔ نبی کے لئے بھی گناہ پیدا نہیں ہوتا اور محفوظ ولی کے لئے بھی گناہ پیدا نہیں ہوتا۔

فرق اتنا ہے کہ نبی کے لئے گناہ کا پیدا ہونا محال شرعی ہے اور ولی کے لئے گناہ کا پیدا نہ ہونا محال شرعی نہیں ہے، آپ فرق سمجھ گئے کہ کسی ولی کے لئے گناہ کا پیدا ہو جانا شرعاً محال نہیں ہے، لیکن نبی کے لئے گناہ کا پیدا ہونا یہ محال شرعی ہے، تو دونوں

کے لئے گناہ پیدا نہیں ہوتا، ایک کے لئے اُس کی عظمت وکرامت اور پاکیزگی کی بنا پر اور دوسرے کے لئے اس کی نبوت کی بنا پر، اور یاد رکھو نبوت کی بنیاد پر جس کے لئے گناہ پیدا نہ کیا جائے، اس کے لئے گناہ کا پیدا ہونا محال شرعی ہے اور ولی سے گناہ کا پیدا نہ ہونا محال شرعی تو نہ تھا مگر اس کی پرہیز گاری اور کرامت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے لئے گناہ پیدا نہ کیا جائے۔

میں نے عصمت کے معنی بیان کئے کہ "لَمْ يُخْلَقْ لَهٗ ذَنْبٌ" معصوم وہ ہے جس کے لئے گناہ پیدا ہی نہیں کیا گیا، اور پیدا کیا جانا اس کے لئے محال شرعی ہے اور یہ تعریف سوائے نبی کے کسی پر صادق نہیں آتی، یہ بات آپ کے ذہن میں آگئی، نبوت اور ولایت کا فرق بھی آپ کے سامنے آگیا، ہزاروں اولیاء گناہوں سے محفوظ ہیں اور نبی تو گناہ سے محفوظ ہوتا ہی ہے مگر نبی معصوم ہوکر گناہ سے محفوظ ہوتا ہے اور ولی محفوظ ہوکر گناہوں سے بچا ہوا ہوتا ہے، دونوں کے لئے گناہ پیدا نہیں ہوتا، فرق اتنا ہے کہ ولی کے لئے گناہ کا پیدا ہونا محال شرعی نہیں اور نبی کے لئے گناہ کا پیدا ہونا محال شرعی ہے، ولی سے گناہ سرزد ہونا شرعاً ممکن ہے مگر نبی سے گناہ کا سرزد ہونا شرعاً ممکن نہیں ہے۔

یہ امکان شرعی اور امتناع شرعی کا فرق ہے، شریعت مطہرہ نبی سے گناہ سرزد ہونے کو ممتنع قرار دیتی ہے اور ولی سے گناہ سرزد ہونے کو محال اور ممتنع قرار نہیں دیتی، نتیجہ یہ نکلا کہ جب ولی گناہ نہیں کرتا' اس کا گناہ بھی پیدا نہیں ہوتا اور نبی جب گناہ نہیں کرتا اس کا بھی گناہ پیدا نہیں ہوا جب دونوں کا گناہ پیدا نہیں ہوا تو فرق اتنا رہا کہ وہاں استحالۂ شرعی ہے اور یہاں استحالۂ شرعی نہیں۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ولی کے لئے اللہ تعالیٰ نے گناہ پیدا نہیں کیا، بولئے اس میں گناہ کرنے کی قدرت تھی یا نہیں تھی؟ ارے قدرت تو تھی مگر قدرت کے

باوجود اللہ تعالیٰ نے ولی کی عظمت کی بنا پر اس کے لئے گناہ پیدا نہیں کیا، اگر اللہ گناہ پیدا کرتا تو وہ ضرور مرتکب ہوجاتا کیونکہ جس چیز کو جس کے لئے اللہ پیدا کرے' وہ ضرور اس کا مرتکب ہوتا ہے۔

نبی خالقِ ہدایت نہیں بلکہ قاسمِ ہدایت ہے:

اللہ نے جس کے لئے ہدایت کو پیدا کیا تو اس نے ہدایت کو اختیار کرلیا اور جس کے لئے ہدایت کو پیدا نہیں کیا اس نے کبھی ہدایت کو اختیار نہیں کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (سورۃ القصص ۲۸:۵۶) میرے پیارے محبوب! ہدایت کا پیدا کرنا یہ تیرا کام نہیں یہ میرا کام ہے، میں نے ابوجہل کے لئے ہدایت کو پیدا نہیں کیا' اس لئے اس نے ہدایت کو اختیار بھی نہیں کیا، میں نے ابولہب کے لئے ہدایت کو پیدا نہیں کیا' اس لئے اس نے ہدایت کو اختیار ہی نہیں کیا، جس کے لئے خدا نے ہدایت کو پیدا نہیں کیا وہ ہدایت سے محروم رہا اور جس کے لئے خدا نے گناہ پیدا نہیں کیا وہ گناہ سے پاک رہا، فرق اتنا ہے کہ کسی کا گناہ سے پاک رہنا یہ شرعاً ضروری ہے اور کسی کا گناہ سے پاک رہنا شرعاً ضروری تو نہیں مگر اس کے فضل وکرامت کا تقاضا ہے کہ یہ گناہ سے پاک رہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے گناہ مخلوق نہیں ہوا اور ان کے لئے گناہ مخلوق ہونا یہ شرعاً محال ہے کیونکہ عصمت لازمِ نبوت ہے مگر جس طرح گناہ کرنے کی قوت ولی کے اندر تھی نبی کے اندر بھی ہے، گناہ وہاں بھی مخلوق نہیں ہوا، گناہ یہاں بھی مخلوق نہیں ہوا، تو گناہ کے پیدا نہ کئے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قدرت ہی سلب ہوگئی، قدرت وہاں بھی ہے، قدرت یہاں بھی ہے، کیونکہ قدرت گناہ نہیں ہے۔

میرے دوستو! گناہ کرنا گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے پاک کامل ولیوں کو بھی گناہ سے پاک رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو گناہ سے پاک رکھا اور انبیاء کو اس لئے

رکھا کہ ان کے لئے شرعاً ضروری تھا کہ گناہ سے پاک رہیں اور کامل اولیاء اللہ کو اس لئے پاک رکھا ان کے لئے حفاظت ان کی عظمت وشان کی دلیل تھی، تو نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ نے ان کے لئے گناہ کو پیدا نہیں کیا تو اس سے ان کی قدرت کا سلب ہو جانا لازم نہیں آتا اور قدرت کا سلب ہونا لازم نہیں آتا تو تمہارا یہ اعتراض بھی خاک میں مل گیا کہ جب قدرت ہی نہیں تو پھر گناہ کا نہ کرنا کمال نہیں ہے۔

ارے قدرت ہے، قدرت ہے، قدرت ہے، مگر اس قدرت کو گناہ کے لئے استعمال کرنا نبی کے لئے مخلوق نہیں ہوا اور اس کا مخلوق ہونا شرعاً محال ہے، یہ دو فرق تھے جو میں نے آپ کو بتا دیئے۔

یہ تو علمی رنگ میں میں نے مسئلہ کو واضح کیا، اس صورت میں کہ جب ''ذنب'' کی اضافت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف واقع حقیقی ہو، لیکن یہاں ایک اور طریقہ سے عرض کئے دیتا ہوں۔

کرکے ''تمہارے گناہ'' مانگیں تمہاری پناہ:

''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝'' ذنب کے اندر تو ''دو'' اعتبار ہیں، دو احتمال ہیں، ایک احتمال تو یہ ہے کہ ذنب فقط صورۃً ہو حقیقتاً نہ ہو، وہ تو انبیاء کی شان کے خلاف نہیں ہے، جیسے ابھی میں نے آپ کو بتایا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ذنب واقعی حقیقتاً گناہ ہو، اگر اس احتمال کو آپ لیتے ہیں اور آپ ذنب کے یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ گناہ بخش دیئے جو اگلے گناہ ہیں، تو پھر یہاں پر مضاف محذوف ہوگا اور معنی یہ ہوں گے ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ اَىْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِ اُمَّتِكَ وَمَا تَأَخَّرَ'' اگر ذنب سے مراد حقیقتاً گناہ ہے اور اگر ذنب کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو اُمت کے گناہ مراد لینے پڑیں گے کہ اے میرے محبوب! میں نے جو فتح مبین عطا فرمائی اس لئے کہ تیری اُمت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دوں، اور اگر ذنب

کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صورۃً ہیں تو وہ انبیاء کی شان کے لائق ہے، اور وہ اس لئے ہے کہ انبیاء کے اس فعل کے دامن میں اُمت کے حقیقی گناہ معاف کر دیئے جائیں، دونوں صورتوں میں معنی صادق ہیں ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ'' میرے محبوب! تا کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے ان گناہوں کو تیرے غلاموں کے جو تیرے اس ذنب کے دامن میں آ گئے جو صورۃً ذنب ہے، حقیقتاً نہیں، اور دوسرے یہ کہ میرے محبوب! ہم نے فتح مبین آپ کو عطا فرمائی تا کہ آپ کی اُمت کے اگلے پچھلے گناہوں کو ہم آپ کے لئے معاف کر دیں۔

دونوں توجیہیں صحیح ہیں اور کسی توجیہ کی بنیاد پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کا گنہگار ہونا ثابت نہیں ہوتا تو حضور کے دامن محمدیت، دامن نبوت، دامن رسالت اور دامن عصمت پر کسی گناہ کا دھبہ نہیں آتا اور جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے' یاد رکھو کہ وہ قرآن کو نہیں سمجھتے اور انہوں نے شان نبوت کو بھی نہیں سمجھا، اور اَب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں یہ جو حقیقت حال آپ کے سامنے واضح ہو گئی تو اَب آیت کریمہ کا مفہوم اپنے ذہن میں خوب پختہ کر لیجئے۔

عصمت کے مفہوم کو آپ کے سامنے ذرا واضح کرنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام واقعی گناہوں سے پاک ہیں، حقیقتاً گناہ کا کوئی اثر انبیاء پر نہیں آتا اور ہر نبی کا دامن گناہ کی نجاست سے حقیقتاً پاک ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔

دیکھئے! اگر انبیاء علیہم السلام کو آپ معصوم نہیں مانتے اور انبیاء کے لئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے گناہ ثابت کریں گے تو گناہ دو طریقے سے ہوگا، گناہ قول سے ہوگا یا فعل سے ہوگا، گناہ دو ہی باتوں سے ہوگا، کسی نے جھوٹ بولا یہ قول ہے یا نہیں؟ کسی نے غیبت کی یہ قول ہے یا نہیں؟ کسی نے کسی پر بہتان لگایا یہ قول ہے یا نہیں؟ کسی نے لغویات بکے، تو گناہ یا تو قول سے ہوگا یا فعل سے ہوگا، کسی

نے رشوت لی، سود لے لیا، حرام کھالیا، کسی نے بے حیائی کا کام کرلیا، کسی نے شراب پی لی، یہ فعل گناہ ہیں یا نہیں؟ تو گناہ فعل میں ہوگا یا قول میں ہوگا، دونوں سے الگ نہیں ہوسکتا، تو نتیجہ کیا نکلا؟

اگر نبی معصوم نہیں تو حکمِ اتباع واطاعت مستقل کیوں؟

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہٗ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آل عمران ۳:۳۱) میرے پیارے محبوب! ان سے فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو، اَب حضور کی پیروی یا تو قول میں ہوگی یا فعل میں ہوگی، اَب اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ سرزد ہونا ممکن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے محبوب! نے کیا تو تم پر بھی فرض ہے کہ تم گناہ کرو، انہوں نے گناہ کی بات کہی، تم بھی گناہ کی بات کہو، انہوں نے گناہ کا کام کیا تم بھی گناہ کا کام کرو، اور یہ بالکل محال ہے، یہ بالکل ممکن نہیں، تو پتہ چلا کہ نبی کا قول بھی گناہ سے پاک ہے، نبی کا فعل بھی گناہ سے پاک ہے، ورنہ ہم کو کیسے حکم دیا جاتا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ میری اتباع کرو، جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کو ہم پر فرض قرار دے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ گناہ سے پاک ہیں، ان کا قول بھی گناہ سے پاک ہے ان کا فعل بھی گناہ سے پاک ہے۔

سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (سورۃ المائدۃ ۵:۹۲۔ سورۃ النور ۲۴:۵۴۔ سورۃ التغابن ۶۴:۱۲) لوگو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اطاعت کے کیا معنی ہیں؟ اطاعت کے معنی ہیں ''فرماں برداری'' یہ بھی دو ہی باتوں میں ہوگی، جو رسول کہیں وہ مان لو اور جو رسول کرکے دکھائیں وہ کرلو، اطاعت بھی قول وفعل میں ہوتی ہے اور اتباع بھی قول وفعل میں ہوتی ہے، اَب مجھے یہ بتایئے کہ اگر رسول کے قول وفعل میں گناہ سرزد ہوا ہو پہلے یا بعد کو، تو پھر ان کی اطاعت کیسے

ہوسکتی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ تم بھی گناہ کرو اور گناہ کرنا فرض ہوگا، پھر جس بات کا کرنا فرض ہو وہ گناہ کیسے ہوگا؟ آپ ہی بتایئے؟

تو پتہ چلا کہ رسول گناہ سے پاک ہے، شاید آپ کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ یہاں تو تین باتیں ہیں اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج (سورۃ النساء ۴:۵۹) اللہ تعالیٰ تو خیر اللہ ہے، حضور گناہوں سے پاک ہیں، چونکہ معصوم ہیں، نبی ہیں کہ ان کی اطاعت فرض ہے، تو اگر اطاعت فرض ہونے سے عصمت ثابت ہوتی ہے تو اطاعت تو اولی الامر کی بھی فرض ہے، کیونکہ فرمایا اولی الامر کی بھی اطاعت کرو، تو مطلب یہ ہوا کہ نبی بھی معصوم اور اولی الامر بھی معصوم۔

حالانکہ عصمت تو انبیاء کا خاصہ ہے اور جب انبیاء کا خاصہ ہے پھر اولی الامر تو معصوم نہیں ہوسکتے، اولی الامر خواہ وہ مجتہدین ہوں یا وہ امراء ہوں کسی صورت میں بھی کوئی معصوم نہیں ہوسکتا۔

اس کا جواب دیتا جاؤں، وہ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اطیعوا کا لفظ دو جگہ فرمایا: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ، اطیعوا اولی الامر نہیں فرمایا' بلکہ اولی الامر کے لئے اللہ نے صرف عطف فرمادیا اور دو جگہ اطیعوا فرمایا، کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت بھی مستقل ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل ہے اور اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ ورسول کی اطاعت کے معیار پر دیکھ لو' اگر صحیح ہے تو کرو، نہیں ہے تو نہ کرو۔

لہٰذا نبوت کی عصمت ثابت ہوگئی، اولی الامر کی عصمت ثابت نہیں ہوئی، یہ بات آپ سمجھ گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (سورۃ النساء ۴:۶۴) ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی اللہ کے اذن سے اطاعت نہ کی جائے، معلوم ہوا کہ ہر رسول مطاع ہوتا ہے اور اطاعت قول وفعل میں

ہوتی ہے، تو پتہ چلا کہ ہر رسول قول وفعل میں گناہ سے پاک ہے، اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (سورۃ النساء۴: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کرلی تو اس نے اللہ کی اطاعت کرلی، اطاعت تو قول وفعل میں ہوگی، تو پتہ چلا کہ رسول کے قول کی اطاعت کرنا رسول کے فعل کی اطاعت کرنا یہ اللہ کی اطاعت ہے۔

اَب اگر رسول کے قول وفعل میں گناہ ہے تو ایمان سے کہنا کہ وہ گناہ کرنا کب اللہ کی اطاعت ہوگی؟ اس لئے پتہ چل گیا کہ رسول کی اطاعت مستقلاً فرض ہے اور رسول کی اتباع مستقلاً فرض ہے اور جب یہ مستقلاً فرض ہے تو نبی کا قول بھی گناہ سے پاک ہے، نبی کا فعل بھی گناہ سے پاک ہے، اور یہ گناہ سے پاک ہونا ایسا ہے کہ گناہ ہونا نبی سے شرعاً محال ہے اور اس کا مخلوق ہونا بھی شرعاً محال ہے، لہٰذا جس کے گناہ کا مخلوق ہونا شرعاً محال ہو وہی تو نبی ہوتا ہے، اور استحالہ خلق ذنب سے قدرت کا سلب ہونا لازم نہیں آتا، قدرت اپنے مقام پر ہے، ہم انبیاء کی قدرت کے منکر نہیں ہیں، ہاں! ہم انبیاء کی معصیت کے منکر ہیں، ان کے گناہ کے منکر ہیں کہ انبیاء سے گناہ نہیں ہوتا، انبیاء سے نافرمانی نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں قدرت دیتا ہے اور قدرت ہی کمال کا معیار ہے، تو قدرت کی نفی نہیں معصیت کی نفی ہے، یہ بات ذہن میں رکھ لیں، اَب جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں' آپ اس پر غور فرمائیں۔

بعثت سے پہلے کافروں نے بھی بے گناہ مانا:

میرے پیارے دوستو اور محترم عزیزو! آج اسلام کا دعویٰ کر کے ہم رسول کی معصیت ثابت کریں اور رسول کے لئے گناہ ثابت کریں تو ہمیں شرم نہیں آتی، قرآن اُٹھا کر دیکھئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر شریف کے بعد جب نبوت کا اظہار فرمایا، نبوت کا دعویٰ فرمایا تو منکروں نے نبوت کا انکار کیا یا نہیں

کیا؟ انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پیارے حبیب یہ تیرے دعویٰ نبوت کا انکار کر رہے ہیں، ان کو ایک دلیل بیان کر دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (سورۃ یونس۱۰: ۱۶) میرے پیارے ان سے کہہ دے کہ اس دعویٰ نبوت کے اظہار سے پہلے اپنی عمر کا چالیس برس کا حصہ تم میں گذار چکا ہوں، میری پیدائش مکہ میں ہوئی' پیدائش تم پہ مخفی نہیں، میرا بچپن مکہ میں گذرا وہ بھی تم پہ مخفی نہیں، لڑکپن میرا تم میں گذرا، میری جوانی کے لیل ونہار اور ایک ایک لمحہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے، میری چالیس برس کی عمر تم میں گذری، چالیس برس کی عمر ایک معیار ہے، اگر کوئی بھی عیب کسی میں چھپا ہوا ہو تو چالیس برس کی عمر تک وہ ضرور باہر آجاتا ہے، تو چالیس برس گذر گئے اگر میرا کوئی عیب باہر آیا ہو تو بتاؤ؟ یہ دشمنوں کو، ابوجہل کو، ابولہب کو، عتبہ کو، شیبہ کو، یہودیوں کو، نصرانیوں کو، مشرکوں کو، بت پرستوں کو کہا گیا۔

اَب آپ مجھے یہ بتائیں جب دشمنوں کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دیا جائے کہ نکالو کوئی عیب، نکالو کوئی گناہ ہے تو، اگر کوئی گناہ ہو تو دشمن اس کو بیان کرنے سے باز رہے گا؟

لیکن میرے دوستو اور عزیزو! اللہ نے فرمایا: ان دشمنوں کے سامنے چالیس برس کی عمر پیش کر دے اور ان سے کہو بتاؤ کوئی غلطی ہے تو نکالو، کوئی عیب ہے تو نکالو، خدا کی قسم دشمنانِ مصطفےٰ کو نہ ان کے بچپن میں عیب نظر آیا، نہ حضور کے لڑکپن میں عیب نظر آیا، نہ حضور کی جوانی میں عیب نظر آیا، چالیس برس تک حضور کی عمر شریف کے کسی لمحہ میں دشمنوں کو عیب نظر نہیں آیا۔

بتاؤ جن سے اظہار نبوت سے پہلے کوئی گناہ نہیں ہوا' وہ اظہار نبوت کے بعد گناہ کے لئے رہ گئے تھے؟ سوچنے کی بات ہے، ارے اظہار نبوت کے بعد تو ان کی

ذات پاک سے گناہ کا تصور ہی دور ہو گیا، کیونکہ گناہوں سے تو وہ روکنے آئے تھے اگر آپ گناہ کرنے بیٹھ جائیں تو بتائیے ان کی بعثت کا مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اور جو ذات پاک اظہار نبوت سے پہلے گناہ سے پاک ہے خدا کی قسم! اظہار نبوت کے بعد تو بطریق اولیٰ گناہ سے پاک ہے، اس لئے یہ کہنا کہ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۝ کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کردیا، ارے وہ اگلے پچھلے گناہوں کا زمانہ تو بتاؤ' کس زمانے میں وہ حضور سے گناہ ہوئے اور کیا گناہ ہوئے؟ ارے! دشمن میرے آقا کا گناہ نہ پکڑ سکے اور آج اسلام کا دعویٰ کرنے والے میرے آقا کے اگلے پچھلے گناہ کا دعویٰ کررہے ہیں، قرآن کی آیت کا مطلب یہی ہے کہ میرے محبوب! ہم نے فتح مبین آپ کو عطا فرمائی تا کہ پیارے حبیب آپ کی اُمت کے گناہ آپ کے لئے ہم بخش دیں۔

یہ اس قابل نہیں کہ ان کو بخشا جائے، تیرے لئے بخشدیں، تیرے سبب سے بخشیں، تیرے لئے بخشیں گے، میرے محبوب! تیرے طفیل بخشیں گے، میرے پیارے حبیب! ہم تو تیرے لئے بخشیں گے، کیونکہ ہم نے ان کو نہیں دیکھا ہم نے تو تیرا چہرہ پاک دیکھا ہے، ہم تو تیرے لئے ان کے گناہوں کو بخشیں گے، تو بتاؤ یہ میرے آقا کا احسان نہیں؟ کتنا بڑا احسان ہے جن کے لئے ہمارے گناہ بخشے گئے، اس احسان کا ہم نے یہی بدلہ دینا تھا کہ اُن کو ہی گنہگار ٹھہرادیں؟ کتنا غضب ہے اور کتنا افسوس ناک ہے ایسا خیال۔

میں نے آپ کو تمام پہلو بتادیئے اور دلیلوں سے ثابت کردیئے اور بتادیا کہ کہ نبی معصوم ہے کہ جس کے لئے گناہ پیدا نہیں ہوا، اور شرعاً گناہ کا پیدا ہونا اس کے لئے محال ہے اور قدرت موجود ہوتی ہے، ہم قدرت کی نفی نہیں کرتے' ہم گناہ کی نفی کرتے ہیں، معصوم وہ ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہو، اور میرے آقا معصوم ہیں، ہر

نبی معصوم ہے، اور جس نبی کا کوئی گناہ یہ پیش کریں گے تو میں نے اس کا قاعدہ آپ کو بتادیا کہ وہ حقیقتاً گناہ نہیں ہے' بلکہ وہ گناہ کے مشابہ ہے اور مشابہ ہونا اس حکمت کے لئے ہے کہ اُمت کے گناہوں کو اس کے صدقے میں بخش دیا جائے اور اُمت کو استغفار کا حکم دیا جائے۔ انبیاء علیہم السلام بغیر حقیقتاً گناہ کے استغفار کررہے ہیں تو تم حقیقتاً گناہ کرکے بھی استغفار نہ کرو' تو افسوس ہے تم پر، تو نبی سیرت مکمل کرنے کے لئے اور نبی کے دامن میں اُمت کے گناہوں کی معافی کے لئے، ایک وسیلہ پیدا کرنے کے لئے اس قسم کے افعال نبیوں سے سرزد کرائے گئے جو حقیقتاً گناہ نہیں تھے، ہر نبی حقیقتاً گناہ سے پاک ہے اور میرے آقا پاک ہیں' طیب ہیں' طاہر ہیں۔

اَب لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ کے معنی تو میں نے آپ کو بتادیئے اور بہت وضاحت کے ساتھ بتادیئے اور تمام کو میں نے مبرھن کردیا، اگر کوئی مانتا ہے تو مانے، نہیں مانتا ہے تو نہ مانے، میں نے تو حقیقت کا اظہار آپ کے سامنے کردیا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی بات خطا نہیں:

اَب اس کے بعد دوسری بات عرض کرتا ہوں وہ تتمہ ہے اسی بحث کا، اور وہ تتمہ یہ ہے کہ کہتے ہیں بھئی دیکھو حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو جو بات میں تم سے اللہ کی طرف سے کہوں وہ مان لو اور جو اپنی طرف سے کہوں تو میں تمہاری طرح بشر ہوں، تو ہوسکتا ہے کہ غلطی ہو جائے، تو اس کا ماننا تم پر ضروری نہیں ہے، جو بات میں تمہیں اپنی طرف سے کہوں، حدیث میں الفاظ ہیں إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ (مشکوٰۃ، کتاب الایمان، باب الاعتصام والسنۃ، رقم: ۱۴۷۔ (حدیث تابیر نخل)۔ إِذَا أَمَرْتُكُم بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُم فَخُذُوا بِهِ، وَإِذَا أَمَرْتُكُم بِشَيْءٍ مِن رَأْيِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ۔)، حدیث میں غلطی کا لفظ نہیں ہے، لفظ بشر سے یہ غلطی کے معنی نکال

لیتے ہیں، کہتے ہیں اگر واقعی حضور سے غلطی نہیں ہوئی، کوئی گناہ نہیں ہوا، تو یہ کیوں فرمایا کہ جو بات اللہ کی طرف سے کہوں وہ مان لو، اگر اپنی طرف سے کہوں تو میں تمہاری مثل بشر ہوں، اس حدیث کا کیا مطلب ہوا؟

آج میں اس حدیث کا مطلب سمجھا دینا چاہتا ہوں، عزیزانِ محترم! اَب کیا کہا جائے جس قوم نے تہیہ کرلیا ہو کہ رسول کا کوئی احسان ہی نہیں مانیں گے، تو اس قوم کا کیا علاج ہے؟ میرے دوستو! یہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اُمت پر بہت بڑا احسان ہے، اور وہ احسان کیا ہے؟

من جهت الرسالت اور من جهت البشریت، یہ دو جہتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمادیں، ایک جہت بشریت کی ہے اور ایک جہت رسالت کی ہے، فرمایا: رسالت کی جہت سے جو بات کہوں گا، ظاہر ہے وہ تو اللہ کی وحی سے ہوگی، اللہ کا حکم ہوگا، اس کا ماننا تمہارے لئے ضروری ہے، لیکن اگر کوئی بات میں اپنی بشریت کی طرف سے کہہ دوں تو اس کا ماننا تم پر ضروری نہیں، اگر تم اس کو نہ مانو اور اس پر عمل نہ کرو، تو یہ اور بات ہے کہ تم برکت سے محروم ہوجاؤ، لیکن تم گنہگار نہیں ہوگے، دو حیثیتیں میرے رب نے اس لئے عطا فرمائیں کہ جو بات من جہت رسالت سے کہوں اس کی پابندی تم پر لازم ہے، اگر ہر بات جہت رسالت سے ہو تو جتنی باتیں کہوں گا سب تم پر فرض ہوتی چلی جائیں گی اور جو میں کروں گا سب تم پر لازم ہوتے چلے جائیں گے اور تم حد بندیوں میں مبتلا ہوجاؤ گے، تم پر بڑی قیدیں آجائیں گی اور جتنی قیدیں بڑھیں گی اسی قدر تمہارے لئے مشکل ہوگی، تم ان قیدوں کو برداشت نہیں کرسکو گے، تو پھر گناہ ہوں گے، تم ان پابندیوں سے نکلو گے، نتیجہ کیا ہوگا کہ تم گناہوں میں مبتلا ہوجاؤ گے، اس لئے تم پر آسانی کے لئے دو جہتیں ہیں، رسالت کی جہت سے جو کام ہے وہ نہیں کروگے تو گنہگار ہوگے، مگر بشریت کی جہت سے کہہ دوں تو نہ کرنے

سے گنہگار نہیں ہوگے، رسول اللہ کا یہ بڑا کرم ہے، بڑا احسان ہے، تمہارے لئے آسانی کردی، سہولت کردی، تو آسانی اور سہولت کرنے کا یہی نتیجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہم یہ کہیں کہ معاذ اللہ وہ ہم جیسے بشر اور غلط کار ہیں، ان کو غلطی کا مرتکب قرار دینا احسان کا بدلہ نہیں ہے۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ**

میں آپ کو ایک دو مثال دے دینا چاہتا ہوں، ایک مثال تو حضرت علی کے واقعہ میں ہے اور ایک مثال حضرت حزن کا واقعہ ہے اور یہ دونوں بخاری میں ہیں۔

بظاہر حکم مگر حقیقت میں علی رضی اللہ عنہ کے عشق کا امتحان:

صورت حال یہ ہوئی کہ جب صلح حدیبیہ کا معاملہ آیا، اس معاملے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوایا: **هٰذَا مَا قَضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** (بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، رقم: ۴۲۵۱۔ کتاب الصلح، باب کیف یکتب......، رقم: ۲۶۹۹، مشکوٰۃ، کتاب الجهاد، باب الصلح فصل ثالث، ص ۳۵۵) یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مشرکین مکہ سے صلح کی، تو جب **مَا قَضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** اس پارٹی نے دیکھا جو مشرکوں کی تھی، انہوں نے کہا ہم آپ کو محمد رسول اللہ مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا؟ ہم آپ کو محمد رسول اللہ نہیں مانتے، آپ رسول اللہ کا لفظ یہاں سے کاٹ دیں، آپ یہ لکھیں **هٰذَا مَا قَضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ** یہ وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے، محمد بن عبداللہ تو ہم آپ کو مانتے ہیں، رسول اللہ نہیں مانتے، تو لفظ رسول اللہ کاٹ دیں اور یہ لکھ دیں **هٰذَا مَا قَضٰی مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ**، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے رسول اللہ مانو یا نہ مانو، میں تو اللہ کا رسول ہوں، انہوں نے اصرار کیا کہ لفظ رسول اللہ کو کاٹ دیں، ورنہ ہم کوئی بات نہیں کرتے، اَب اللہ کا حکم ایسے ہی تھا کہ میرے پیارے جو یہ کہیں مانتے چلے جایئے، حکمت کا تقاضا یہی ہے۔

چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب نے اللہ کی وحی کے مطابق ان کی بات مانی اور حضرت علی سے فرمایا: اے علی لفظ رسول اللہ کو یہاں سے محو کردو "اُمْحُ رَسُوْلُ اللہِ" اَب یہ حضور کا کلمہ ہے یا نہیں؟ اُمْحُ امر کا صیغہ ہے، اَب یہ جو حضور نے امر فرمایا: یہ کون سا تھا من جہت الرسالت تھا یا من جہت البشریت تھا؟ فیصلہ کرو، یہ جو امر تھا "اُمْحُ" اے علی! اس کو محو کردے، لفظ رسول اللہ کو مٹادے اور یہاں ابن عبد اللہ کا لفظ لکھ دے، اب "اُمْحُ" جو امر فرمایا اگر اس کو من جہت الرسالت کہو تو پھر حضرت علی کو انکار کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں تھا، جو رسالت کی جہت سے حضور کوئی حکم دیں، کوئی مسلمان انکار کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا، لیکن حضور نے فرمایا: "اُمْحُ یَاعَلِیُّ" تو حضرت علی نے کیا جواب دیا؟ حضرت علی نے عرض کیا "لَا وَاللہِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا"

(بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، رقم: ۴۲۵۱۔ کتاب الصلح، باب کیف یکتب......، رقم: ۲۶۹۹، مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، باب الصلح، فصل ثالث، ص ۳۵۵) میرے آقا میں قسم کھا کر کہتا ہوں لفظ رسول اللہ کو نہیں مٹاؤں گا۔

اَب آپ مجھے بتائیں کہ اللہ کے رسول کے حکم کو نہ ماننے کے لئے قسم کھانا کہ لفظ "رسول اللہ" کو نہیں مٹاؤں گا' کیا یہ ایمان کی نشانی ہے؟ بتاؤ کیا حضرت علی گنہگار ہوئے؟ نہیں ہوئے، کیوں؟

اس لئے کہ "اُمْحُ" کا حکم من جہت الرسالت نہیں تھا بلکہ من جہت البشریت تھا، آپ سمجھے! اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بے شک بظاہر اس امر کو، اس حکم کو نہیں مانا، لیکن اس کے پس پردہ حضور کی کمال تعظیم اور حضور کی کمال محبت کارفرما تھی۔

ترکِ امر کی سزا رفعِ برکت:

اَب ایک اور بات بتاتا ہوں وہ بھی بخاری میں ہے، سعید بن مسیّب، سعید

تابعی ہیں، مسیّب ان کے باپ صحابی ہیں اور مسیّب کے باپ ہیں "حزن"، سعید بن مسیّب روایت کرتے ہیں کہ میرے دادا حزن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور نے فرمایا: مَا اسْمُكَ؟ آپ کا نام کیا ہے، انہوں نے عرض کیا میرا نام حزن ہے، حزن عربی زبان میں کہتے ہیں بڑی سخت زمین کو، جس میں بڑی سختی ہو اور صعوبت ہو، جب انہوں نے کہا میرا نام حزن ہے تو حضور نے فرمایا: اَنْتَ سَهْلٌ تو حزن نہیں تو سہل ہے اور سہل کہتے ہیں نرم نرم زمین کو، جب حضور نے فرمایا اَنْتَ سَهْلٌ تو حضرت حزن نے جواب دیا لَا اُغَیِّرُ اِسْمًا سَمَّانِیْهِ اَبِیْ،

(بخاری، کتاب الادب، باب اسم الحزن، رقم: ۶۱۹۰۔ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الاسامی، فصل ثالث، ص ۴۰۹) عرض کی حضور میں تو وہ نام نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۔

اَب بتایئے کہ حزن نے کہا میں نام نہیں بدلوں گا، اس پر حزن گنہگار ہوئے؟ اگر گنہگار ہوتے تو حضور فرمادیتے کہ تو نے میرے حکم کو رد کیا ہے، تو عاصی ہے، گنہگار ہے، جب حضور نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی تو معلوم ہوا اور حدیث تقریری سے ثابت ہوگیا کہ وہ گناہ نہیں تھا، ورنہ ممکن نہیں ہے کہ حضور کے سامنے کوئی گناہ کرے اور حضور گناہ پر انکار نہ فرمائیں، حضرت علی کا 'انکار کرنا' وہ بھی گناہ نہیں تھا، اور اس کی دلیل بھی یہی ہے کہ میرے آقا نے انکار نہیں فرمایا، اور حضرت حزن کا لَا اُغَیِّرُ کہنا بھی گناہ نہیں تھا کیوں؟

دلیل یہ ہے کہ ان کے اس انکار کو حضور نے گناہ نہیں قرار دیا اور جب حضور نے گناہ نہیں قرار دیا تو معلوم ہوا کہ حضور کا یہ حکم جہت رسالت سے نہ تھا بلکہ جہت بشریت سے تھا، حضرت علی نے اگر حضور کے حکم پر عمل نہیں کیا تو حضرت علی کا برکت سے محروم ہونے کا معاملہ بھی نہیں آیا کیوں؟ اس لئے کہ وہاں محبت اور عظمت پس پردہ کارفرما تھی، مگر حضرت حزن نے حضور کا حکم جو بشریت کی جہت سے تھا اس کو انہوں

نے نہیں مانا، وہ گنہگار تو نہیں ہوئے کیونکہ وہ حکم جہت بشریت سے تھا جہت رسالت سے نہیں تھا، وہ گنہگار تو نہیں ہوئے مگر حکم نہ ماننے کی وجہ سے بہت بڑی برکت سے محروم ہو گئے اور وہ کیا ہے؟

حضرت سعید ابن میسّب فرماتے ہیں میرے دادا نے کہا کہ حضور یہ حزن نام تو میرے باپ نے رکھا ہے اور جو نام میرے باپ نے رکھا ہے' میرے آقا میں اسے بدلنا نہیں چاہتا، تو فرماتے ہیں فَمَا زَالَتْ فِینَا الْحَزُوْنَتُ بَعْدُ اس کے بعد ہمیشہ ہمارے اندر انتہائی سختی اور شدت رہی اور سختی ہم پر چھا گئی، سختی میں ہم مبتلا ہو گئے اور بڑی شدت ہم پر طاری رہی، کیوں؟

اس لئے کہ حضور کا حکم انہوں نے انکار کر دیا تھا، اگرچہ گنہگار تو نہیں ہوئے کیونکہ وہ حکم من جہت الرسالت نہیں تھا مگر وہ حکم جو من جہت البشریت تھا' اس کے نہ ماننے سے بھی وہ اس برکت سے محروم ہو گئے جو برکت ان کو حاصل ہو سکتی تھی، وہ سختی اور صعوبت اور شدت ان کے اندر ہمیشہ باقی رہی۔

عزیزانِ محترم! یہ فرق میں نے آپ کو بتا دیا کہ یہ کہنا کہ حضور نے فرمایا کہ جو بات میں تمہیں اللہ کی طرف سے کہوں وہ مانو اور جو اپنی طرف سے کہوں تو میں بشر ہوں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور بشر ہونے کی جہت سے جو کام کریں یا جو بات فرمائیں' اس میں حضور سے غلطی ہوتی ہے یا گناہ ہوتا ہے، یہ مطلب نہیں، مطلب یہ ہے کہ تمہاری سہولت ہوتی ہے، تمہیں گناہ سے بچانا مقصود ہوتا ہے، ہر بات اگر جہت رسالت سے کہی جائے تو پھر تم بہت جکڑ بندیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے، بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو سکتے ہو، لہٰذا جو بات میں جہت رسالت سے کہوں وہ تو ضرور تمہارے لئے قبول کرنا ضروری ہے اور جو بات بشریت کی جہت سے کہوں' اگر تم اس کو قبول نہیں بھی کرو گے تو کم از کم گنہگار نہیں ہو گے، یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات

برکت سے محروم ہو جاؤ لیکن گناہ نہیں ہوگا، یہ تو میرے آقا نے اُمت کو سہولت کے لئے بات ارشاد فرمائی تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور سے غلطی ہوتی ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللہ

کس جہت سے فرمایا؟ اس کا فیصلہ کیسے:

لو بھائی! آخری بات کہہ کر میں یہ مسئلہ ختم کر دوں، یہ جو کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جو بات میں رسالت کی طرف سے کروں وہ مانو اور جو بشریت کی طرف سے کروں اس کا ماننا ضروری نہیں ہے، پہلے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ بشریت کبھی رسالت سے الگ ہوتی ہے؟ کوئی ایسا مقام دکھاؤ کہ رسالت الگ رکھی ہو اور بشریت الگ؟ جب الگ نہیں ہوتی تو اَب یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ بات رسالت کی جہت سے ہے یا بشریت کی جہت سے ہے؟

بتائیے! ارے حضور ہی کریں گے ناں، حضرت علی کے بارے میں حضور نے فیصلہ فرمایا، کیونکہ انکار نہیں فرمایا، یہ حضور کا فیصلہ تھا حدیث تقریری تھی، حضرت حزن کے معاملے میں بھی فیصلہ حضور کا تھا، کیونکہ حضور نے انکار نہیں فرمایا: ورنہ حضور فوراً ان کی معصیت کا اظہار فرما دیتے، تو ہمیں اس بات کا پتہ چل گیا کہ یہ بات جہت بشریت سے ہے، بشریت الگ نہیں، رسالت الگ نہیں، ایک ہی زبان پاک سے حضور اپنی بات فرماتے ہیں اور اسی زبان پاک سے رب کی بات فرماتے ہیں، اَب یہ کیسے پتہ چلے گا کہ حضور نے اپنی بات فرمائی یا رب کی؟ ایمان سے کہنا کہ حضور کی بات سے ہی پتہ چلے گا ناں کہ یہ بات رسالت کی جہت سے ہے اور یہ بات بشریت کی جہت سے ہے، تو پتہ چلا کہ دارومدار تو پھر بھی رسول پر رہا، تو اگر رسول کی ذات پاک پر اعتماد نہیں ہے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ بات جہت رسالت سے ہے یا جہت بشریت سے ہے، حضور زبان اقدس سے جو فرمائیں گے اسی پر اعتماد کرنا پڑے گا۔

بات یہاں ختم ہوتی ہے کہ خدا کی ہستی پر ایمان ہو یا قرآن پر ایمان ہو، یقین پر ایمان ہو یا شریعت پر ایمان ہو، ہر ایمان کی بنیاد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے، جب تک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک کو ہم قابل اعتماد نہیں مانیں گے یعنی ان کی زبان مبارک کو بھی غلطی سے پاک مانیں، ان کی نظر پاک کو بھی غلطی سے پاک مانیں، ان کے اقوال پاک کو بھی غلطی سے پاک مانیں، ان کے افعال کو بھی غلطی سے پاک مانیں، ان کو معصوم مانیں، ان کو ہر عیب وخطا سے پاک مانیں، جب تک ہمارا اعتماد اس نوعیت سے رسول پاک کی ذات پر نہیں ہوتا، نہ توحید کا عقیدہ ہاتھ آتا ہے، نہ قرآن پر ایمان ہاتھ آتا ہے، نہ دین ہاتھ آتا ہے، نہ شریعت ہاتھ آتی ہے، سب کچھ ہاتھ سے جاتا ہے، اگر رسول کی ذات کا اعتماد چلا گیا تو سب کچھ ہاتھ سے چلا گیا، اسی لئے ہم اس پر زور دیتے ہیں، ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خدا نہیں کہتے، خدا کا شریک نہیں کہتے، خدا کا بیٹا نہیں کہتے، خدا کا جز نہیں کہتے، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایسا قابل اعتماد بنایا کہ ہر بات رسول کے حوالے کر دی، پیارے! قرآن بھی تیرے حوالے، میری توحید بھی تیرے حوالے، میرے احکام بھی تیرے حوالے، سارا دین بھی تیرے حوالے، میرے محبوب! تیری زبان پر اعتماد ہوگا تب ہی ان کو دین نصیب ہوگا، تیری بات پر اعتماد ہوگا، تب میرا کلام نصیب ہوگا، تیری ذات پر اعتماد ہوگا تو تب ان کو توحید کا عقیدہ نصیب ہوگا، اگر تجھ پر اعتماد نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔

اذان کے ساتھ درود وسلام کا مسئلہ:

اَب رہا یہ سوال کہتے ہیں کہ تم اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہو اور اذان کے بعد بھی پڑھتے ہو تو یہ کہیں حدیث میں ہے؟

حالانکہ دونوں چیزیں حدیث میں موجود ہیں، حدیث سے ظاہر ہے کہ ہر

نیک کام سے پہلے دُرود پڑھو تو تمہیں ثواب ملے گا۔

(کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَایُبْدَأُ فِیْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی فَهُوَ اَقْطَعُ اَبْتَرُ مَمْحُوْقٌ مِّنْ كُلِّ بَرَكَةٍ۔

(جامع صغیر، امام سیوطی، ج ۲ ص ۹۱، رقم: ۶۲۸۵۔ کنز العمال، رقم: ۲۰۵۷)

ہر اہم کام جس سے پہلے حمد وصلوٰۃ نہ پڑھی گئی تو وہ (حمد وصلوٰۃ سے ملنے والے) ہر ثواب سے خالی ہوگا۔ تقریر وتحریر سے پہلے اِس حدیث پر علماءِ اُمّت کا عمل ہے، اور یہ تلقی بالقبول ہے جس کے بعد سندِ صحیح کی ضرورت نہیں رہتی۔ (رہاوی، ابن مدینی، ابنِ مندہ وغیرہ نے اپنی سندوں سے یہ مضمون روایت کیا، سندوں میں کمزوری موجود ہے۔ ضعیف روایت سے بھی فعل کی فضیلت لی جاتی ہے)، فرض نہیں ہے، واجب نہیں ہے، اَب بتاؤ اذان نیک کام ہے یا بد کام ہے؟ یقیناً نیک کام ہے تو نیک کام سے پہلے ثواب حاصل کرنے کے لئے دُرود پڑھنے کو تو حضور نے پہلے فرمایا کہ ہر نیک کام سے پہلے دُرود پڑھو۔

آپ کہیں گے کہ یہ تو پہلے کی بات ہے بعد کی کہاں ہے؟ اگر بعد کی بات پوچھتے ہو تو وہ تمام حدیثوں میں موجود ہے، حضور نے فرمایا کہ جب مؤذن اذان ختم کرے تو مجھ پر درود پڑھے، پھر دعائے وسیلہ پڑھے۔

(مشکوٰۃ البانی، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الاذان واجابۃ الموذن، رقم: ۶۵۷۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن: رقم ۸۴۹۔ ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب مایقول اذا سمع المؤذن: رقم ۵۲۳۔ نسائی، کتاب الاذان، باب الصلوٰۃ علی النبی بعد الاذان: رقم ۶۷۹)

مسلم شریف میں حدیث ہے، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف اور ابن ماجہ شریف میں حدیث ہے کہ جب اذان ختم ہو تو فوراً مجھ پر درود پڑھو، دعا بعد میں مانگو۔

اَب کہتے ہیں ہم اس لئے روکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے ایسا نہیں کیا، صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ ہر نیک کام سے پہلے درود پڑھو تو ثواب ہوگا اور جب حضور نے فرمادیا کہ جب اذان ختم ہو تو دعائے وسیلہ بعد کو مانگو میرے اوپر درود پہلے پڑھو، اب یہ کہنا کہ نہ حضور سے ثابت ہے اور نہ صحابہ سے ثابت ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ رسول اللہ کا فرمان صحابہ نے بھی نہ مانا؟

پھر کہتے ہیں کہ بھئی بلند آواز سے نہیں ہوتا تھا، تم بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو؟

بھئی ہم نے کب کہا کہ بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے، ہم تو بلند آواز سے اس لئے پڑھتے ہیں کہ لوگ بھی سن کر پڑھنے لگیں گے، اگر ہم چپکے سے پڑھیں تو کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا، اگر بلند آواز سے پڑھیں گے تو جس کو آواز پہنچے گی وہ بھی درود پڑھنے لگے گا، تو ہمارا بلند آواز سے پڑھنا دوسروں کے درود پڑھنے کا وسیلہ بن جائے گا، اگر دوسروں کے پڑھنے کے لئے کوئی کام وسیلہ بن جائے تو اس میں کون سی خرابی ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ بلند آواز سے پڑھنا فرض ہے، واجب ہے، اگر نہیں پڑھو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے یا تم شریعت کے حکم کے تارک ہو جاؤ گے، ارے! ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے، ثواب ہے، خود بھی بلند آواز سے پڑھ لو' تمہاری آواز سن کر کوئی دوسرا مسلمان بھی درود پڑھ لے گا تو بہت اچھا ہو جائے گا، اگر ہم فرض واجب کہیں تو ہم پر الزام لگاؤ، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر نیک کام سے پہلے پڑھنا ثواب ہے اور اذان کے بعد درود پڑھنا تو حضور نے حکم دیا ہے، جو بلند آواز کا ہم پر اعتراض کرتے ہیں' وہ پست آواز سے بھی حضور پر درود نہیں پڑھتے، ہم کوئی آواز کو ضروری نہیں کہتے، فرض واجب نہیں کہتے، بس اس کے سوا کچھ نہیں' لہٰذا بات ختم ہو گئی۔

اب رہا یہ کہ اگر اذان سے پہلے درود پڑھنا اذان میں زیادتی ہے، اضافہ ہے۔

میں کہتا ہوں جو چیز ہر مسلمان کے نزدیک کسی دوسری چیز کا جز نہیں، اگر دونوں کو ملا کر پڑھ لیا جائے تو کیا وہ ایک چیز دوسرے کا جز بن جائے گی؟ ہر نماز میں الحمد کے ساتھ ثناء پڑھتے ہیں۔ ملا کر پڑھتے ہیں یا وقفہ کرتے ہیں؟ ملا کر پڑھتے ہیں، اگر آپ ثناء کو سورۃ فاتحہ کیساتھ ملا کر پڑھتے ہیں تو ثناء کو کوئی بھی سورہ فاتحہ کا جز نہیں سمجھتا، سب جانتے ہیں کہ یہ ثناء ہے' یہ فاتحہ ہے، تو اگر ثناء سورہ فاتحہ کے ساتھ ملانے سے ثناء سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہوگا تو اگر درود اذان کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو کیسے جز ہو جائے گا؟

ایک اور بات پوچھتا ہوں! تشہد اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پر ختم ہوتا ہے، آپ اس کے فوراً بعد درود پڑھتے ہیں یا ٹھہر کے پڑھتے ہیں؟ فوراً پڑھتے ہیں تو وہ تو تشہد کا جز ہو گیا، تو کبھی آپ نے یہ سوچا کہ ہم ملا کر پڑھ رہے ہیں، وہ درود ہے، یہ تشہد ہے، اگر ملا کر پڑھنے سے درود تشہد کا جز نہیں ہوتا تو دُرود اذان کا جز کیسے ہو جائے گا؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے، اعوذ باللہ بھی ملا کر پڑھ دیں تو بھی جز نہیں ہے، ثناء کو ملا کر پڑھ لیں، ثنا بھی جز نہیں ہے، التحیات کے بعد فوراً دُرود پڑھ دیں، وہ بھی التحیات کا جز نہیں ہے، یہ ساری چیزیں ملا کر پڑھی جائیں تو ایک دوسرے کا جز نہیں بنتیں تو درود و سلام اذان کا جز کیسے بن جائے گا؟ بہ ہر حال کیا تماشہ ہے، یہ سب لیت و لعل ہے، کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس میں دلیل شرعی کی خلاف ورزی ہو، بلکہ دلیل شرعی موجود ہے کہ نیک کام سے پہلے درود پڑھنے کا حکم موجود ہے اور اذان ختم ہوتے ہی درود پڑھنے کا حکم موجود ہے، عزیزانِ محترم! میں نے یہ اس لئے عرض کر دیا کہ ہم صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔

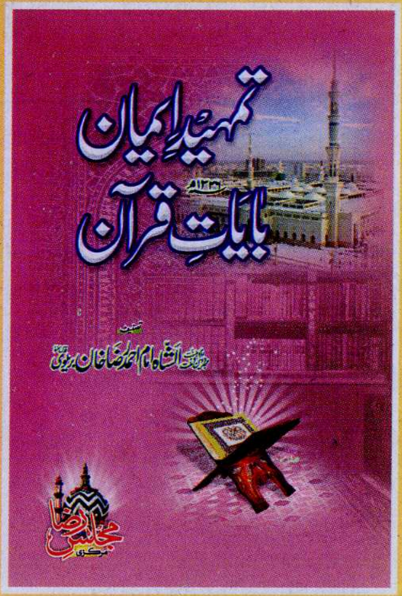
درود ابراہیمی کے سوا کوئی درود نہ پڑھیں؟

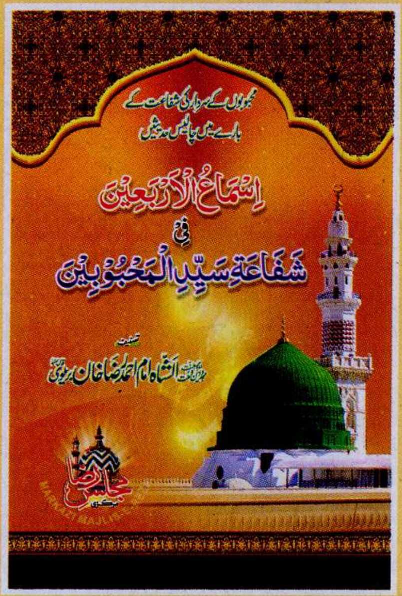
ایک سوال اور آیا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی کے علاوہ اور کوئی درود

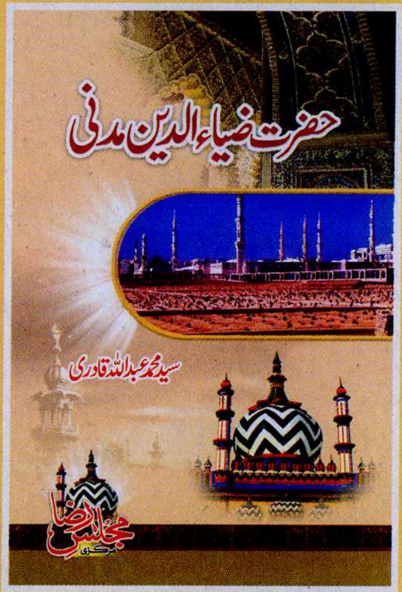
نہیں پڑھنا چاہئے۔

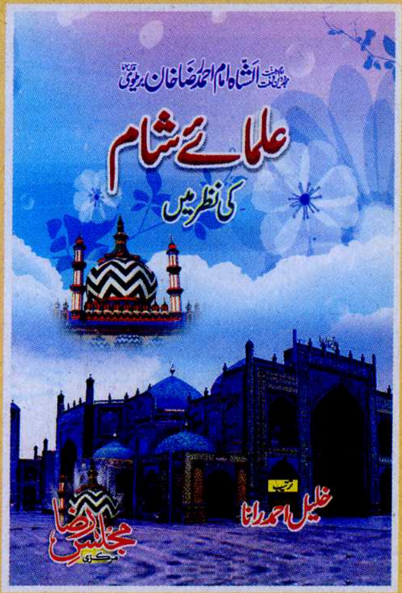
عرض ہے کہ پھر تو حدیثوں میں تمام دُرود کاٹ دو، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا یہ درود ابراہیمی ہے؟ ہر حدیث میں قال قال رسول اللہ کے بعد کیا ہے؟ اگر درود ابراہیمی کے علاوہ کوئی درود جائز نہیں ہے تو پھر ہونا چاہئے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ، ہر حدیث میں یہ ہونا چاہئے یا نہیں؟ مگر کسی ایک حدیث میں دکھاؤ؟ ہر حدیث میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، اَب بتاؤ ''صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' درود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو درود ابراہیمی کے علاوہ بھی درود جائز ہے، اگر نہیں تو پھر بتاؤ یہ ''صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کیا ہے؟ بخاری پڑھاتے ہو، مسلم وترمذی پڑھاتے ہو، ہر حدیث میں درود ابراہیمی پڑھاؤ کیونکہ دوسرا درود تو تمہارے نزدیک جائز نہیں، تمام حدیثوں میں یہ درود نکالتے جاؤ اور درود ابراہیمی لگاتے جاؤ۔

یہی تو دلیل ہے میری کہ جس بات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا: وہ منع نہیں ہے، ارے درود ابراہیمی کے سوا کسی درود کا پڑھنا حضور نے منع نہیں فرمایا: لہٰذا کوئی درود منع نہیں ہے، جب میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان سے اوّل وآخر کو درود سے منع نہیں فرمایا' تو وہ کیسے منع ہوجائے؟ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔









19-B جاوید پارک شادباغ لاہور